بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

مادی تہذیب اور اس کے مضر اثرات نے ہمارے ذہنوں کو اس قدر ماؤف کر دیا ہے کہ ہمیں زندگی کے مختلف میدانوں میں اس تہذیب کی متعین کردہ راہوں کے سوا کوئی دوسری راہ نظر نہیں آتی۔ سیاست میں ہماری آنکھوں کے سامنے یا تو سرمایہ دارانہ جمہوریت گھومتی ہے یا اشتراکی آمریت معیشت میں ہماری نگاہوں کے سامنے صرف دو نقشے ہی اُبھرتے ہیں یا اخلاق سے عاری آزاد اور بے لگام سرمایہ پرستی یا پھر اشتمالیت کی جکڑ بندیاں۔ یہی حال معاشرت، قانون، ادب اور مذہب کا ہے۔ حیاتِ انسانی کے مختلف شعبوں میں اہلِ مغرب نے جن خطوط کی نشاندہی کر دی ہے، وہی ہمارے نزدیک صحیح خطوط خیال کیے جانے لگے ہیں اور ہمارے اندر یہ احساس تک باقی نہیں رہا کہ ہم اپنی الگ ایک صراطِ مستقیم بھی رکھتے ہیں جو ہمیں زندگی کے ہر میدان میں حق و صداقت کی راہ پر گامزن رکھتی ہے۔ دُور نہ جائیے صرف ایران کے ساتھ ہمارے مخلصانہ روابط اور ثقافتی تعلقات کے اظہار کو ہی لیجیے۔ ہم ان تعلقات اور روابط کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان میں مزید استحکام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ایران کے خلوص کے بھی دل و جان سے معترف ہیں۔ مگر ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر یہ کیونکر فرض کر لیا گیا ہے کہ ان مخلصانہ تعلقات کے اظہار کا لے دے کر صرف ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے جو ہمیں اہلِ مغرب نے بتایا ہے یعنی نمود و نمائش، رامش و رنگ کی محفلوں کا انعقاد، اسراف و تبذیر اور اسی طرح کے دوسرے بیکار بلکہ بعض حالات میں اخلاق سوز مشاغل۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں خوشی کے اظہار کا کوئی طریقہ نہیں بتایا یا کتاب و سنت سے ہمیں اس معاملے میں کوئی رہنمائی نہیں ملتی؟ دوسرے ممالک اور قوموں کی ہر معاملے میں اندھی تقلید تو ان لوگوں کو زیب دیتی ہے جو زندگی کے بارے میں اپنا کوئی مخصوص نقطۂ نگاہ یا پروگرام نہ رکھتے ہوں یا جنہیں دنیوی مفادات کی محبت نے اس قدر اندھا کر دیا ہو کہ وہ دنیوی تعلقات کی خاطر اللہ کے احکام کو پسِ پشت

ڈال دیں۔ یہ طرزِ عمل بہرحال اس قوم کو کسی طرح زیب نہیں دیتا جو ایک خاص نظریۂ حیات کی علمبردار بن کر دنیا میں جینے کا عزم رکھتی ہو اور دوسری اقوام کی پیروی کے بجائے ان کی قیادت کی دعویدار ہو۔

مختلف قوموں اور سلطنتوں کے مابین تعلقات کا قیام کوئی دورِ جدید کا مخصوص کارنامہ نہیں جب سے انسانوں نے اجتماعی زندگی کی بنیاد رکھی ہے اور اس کے نتیجے میں حکومتیں معرضِ وجود میں آئی ہیں اس وقت سے مختلف ممالک کے درمیان اخوت کے تعلقات بھی قائم ہوتے رہے ہیں۔ ماضی میں مسلم ریاستوں نے بھی اپنی حدود سے باہر نکل کر دوسرے ممالک اور قوموں کے ساتھ بھائی چارہ کے تعلقات قائم کیے۔ مگر جن مسلمان حکمرانوں کے دلوں میں اسلام سے محبت تھی انہوں نے کبھی بھی دین کو قربان کر کے ان تعلقات کو استوار کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ دینی احکام کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں قائم کیا۔ اور پھر انہیں احکام الٰہی کے مطابق بنایا۔ اگر ہمارے اسلاف آبرومندانہ عہد و پیمان کے ساتھ اور دینِ حق کے پیروکار کی حیثیت سے بین الاقوامی برادری میں پُروقار انداز میں زندہ رہ سکتے تھے تو آخر ہم کیوں نہیں رہ سکتے۔ کیا ہم اپنی زندگی کا کوئی اسلوب نہیں رکھتے؟ کیا ہم کسی نظریۂ حیات کے ترجمان نہیں؟ کیا ہم کسی پیغام کے علمبردار نہیں رہے؟ کیا ہم ذہنی اور فکری اعتبار سے اتنے مفلس ہو چکے ہیں کہ دوسروں کی ہر چیز یا دوسروں کا ہر طرزِ عمل خواہ وہ اخلاقی اور دینی اعتبار سے کتنا ہی غلط ہو، ہمارے لیے باعثِ کشش بن جاتا ہے۔ ہمیں اپنی اس تقلید پسندانہ روش پر غور کرنا چاہیے۔

اسے ہم اپنی کسی دُور اندیشی پر محمول نہیں کرتے بلکہ محض خدا کا فضل سمجھتے ہیں کہ ہم نے ماضی میں اپنی قوم کو ہر نازک مرحلے پر آنے والے خطرات سے پُوری طرح خبردار کیا۔ غلام محمد نے جب مرکزی اسمبلی کو توڑا تو اس کے متوقع عواقب ہم نے پوری طرح واضح کیے اور بتایا کہ یہ فعل اس ملک کو آمریت کی طرف لے جانے والا ہے۔ چنانچہ جلد ہی فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں ایک آمرِ مطلق کی حیثیت سے نمودار ہوئے اور انہوں نے جمہوریت کے ہر نشان کو بڑی چابکدستی سے مٹانے کی کوشش کی۔ اسی ضمن میں ہم نے قوم کو یہ بات بھی بار بار ذہن نشین کرائی کہ لادینی تحریکات خواہ کسی روپ میں جلوہ گر ہوں وہ لازمی طور پر اشتراکیت کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ لادینی تحریکوں کے بعض بظاہر معصوم پروگرام اشتراکیت

کو قریب تر لانے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں مگر افسوس کہ قوم نے ہمارے اس انتباہ کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ غلام محمد کے احمقانہ فعل کو سراہا اور فیلڈ مارشل صاحب کے غلط طرزِ عمل کی مدح و توصیف کی اور انہیں قوم کا "نجات دہندہ" قرار دیتے ہوئے ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد جب ان کے اصل عزائم سامنے آتے اور قوم کی آنکھیں کھلیں تو انہیں ہٹانے کے لیے ایسے عناصر کی پشت پناہی شروع کر دی جو پہلے ہنگاموں کے ذریعے ملک کا نظام معطل کرتے ہیں اور پھر اس تعطل اور اضطراب سے فائدہ اٹھا کر اشتراکی آمریت عوام پر مسلط کر دیتے ہیں۔

ہم ملک میں کوئی سنسنی پھیلانا نہیں چاہتے مگر اس تلخ حقیقت کا اخفاء بھی ملک و ملت سے غداری خیال کرتے ہیں کہ اس وقت ملک میں جو اندوہناک صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے یا بعض تخریب پسند عناصر نے پیدا کر دی ہے اس میں اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ کہیں اشتراکیت کی بلا ملک پر نازل نہ ہو جائے یہ بات کسی طرح بھی بعید از امکان نہیں کہ اس سازش میں غیر ملکی طاقتیں بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک ہوں۔ حالات کا دھارا جس رُخ بہ رہا ہے۔ اس سے اس امر کا صاف پتہ چلتا ہے کہ ملک کو اشتراکیت کی طرف ایک منصوبے کے تحت بڑی قوت سے دھکیلا جا رہا ہے اور وہ سارے ہتھکنڈے پوری عیاری اور طاقت سے استعمال کیے جا رہے ہیں جو اس ناپاک مقصد کے حصول کے لیے بالعموم استعمال کیے جاتے ہیں۔

جن لوگوں نے اشتراکی انقلاب کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ الحاد کے بطن سے یہ تحریک جنم لیتی ہے۔ بھوک، افلاس اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے چینی اسے توانائی فراہم کرتی ہے۔ ذہنی اور اخلاقی آوارگی کی گود میں یہ تحریک پلتی اور پرورش پاتی ہے، مکر و فریب، دھونس، دھاندلی اور تشدد کی مدد سے یہ اپنے لیے ترقی کی مختلف راہیں نکالتی اور بالآخر آمریت کے بل بوتے پر کسی ملک میں اپنا تسلط قائم کر لیتی ہے۔ امن کی فضا اسے کبھی راس نہیں آتی، دلیل کی قوت اس کے لیے کسی منزل پر بھی مفید اور کارآمد نہیں ہوتی، جمہوریت کا ماحول اس کے لیے کسی طور بھی سازگار ثابت نہیں ہوتا۔ امانت و دیانت اور شرافت سے اسے فطری کد ہے۔ اس کی فطرت کا خمیر ہی تشدد، سازش اور نامعقولیت سے اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ جس ملک کی سیاسی فضا میں سازشیں پرورش پانے اور

تشدد کے مظاہرے ہونے لگیں تو سمجھ لیجیے کہ اشتراکیت کی تاریکیاں اس ملک کو اپنے بھیانک پردوں میں چھپانے والی ہیں۔

بدقسمتی سے اس خطۂ پاک میں وہ ساری خوفناک علامتیں موجود ہیں جو اشتراکی فتنے کے برپا ہونے کی دہائی دے رہی ہیں۔ مشرقی پاکستان میں کالعدم عوامی لیگ اور نیشنل عوامی پارٹی نے الحاد کا زہر ملک کے بائیں بازو میں اچھی طرح پھیلا دیا ہے اور اس کے خطرناک نتائج آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس زہر کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان دینی اخوت کے رشتے ٹوٹے اور ملک کے بائیں بازو نے اپنے آپ کو پاکستان کا جزو لاینفک سمجھنے کے بجائے کسی دوسرے ملک سے ناطہ جوڑنے کی ناپاک کوششیں شروع کیں۔ اس زہر کے زیرِ اثر نہ صرف بھائی نے بھائی سے منہ موڑا بلکہ اس نے بےدریغ ہو کر اس کا گلا کاٹا اور جو لوگ اس میں مزاحم ہوئے انہیں تشدد کے ذریعہ دبانے کی کوشش کی۔ مشرقی پاکستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا تھا کہ پاکستانی قوم کے ایک بہت بڑے حصہ پر دیوانگی کا عالم طاری ہے اور وہ جنون میں اپنے آپ کو برباد کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس قسم کے اندوہناک حالات معقولیت کے ذریعے تو پیدا نہیں کیے جا سکتے۔ اس قسم کے مذموم مقاصد لوگوں کے جذبات بھڑکا کر ہی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ آگ اور خون کے اس کھیل کے کھیلنے میں وہ لوگ پیش پیش رہے ہیں جن کے قلب و دماغ پر الحاد چھایا ہوا ہے۔ تخریب پسندی جن کا پسندیدہ مشغلہ ہے اور منفی جذبات کو ابھارنے میں جنہیں گوناگوں لذت محسوس ہوتی ہے۔ مشرقی پاکستان کی سرزمین صرف ایک دن میں تو آگ نہیں اگلنے لگی بلکہ یہ گذشتہ بیس سال کے تخریبی رجحانات کا طبعی نتیجہ ہے۔ سطح بین آنکھوں کے لیے ممکن ہے کہ یہ کوئی غیر متوقع حادثہ ہو مگر جو لوگ حالات کے بگڑتے ہوئے تیور دیکھ رہے تھے اُن کے لیے اس امر کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہ تھا کہ مشرقی پاکستان کی سرزمین انسانی خون سے لالہ زار بننے والی ہے۔

مشرقی پاکستان جس سنگین حادثہ سے دوچار ہوا ہے اُس کی زد میں اب مغربی پاکستان بھی بڑی تیزی کے ساتھ آ رہا ہے۔ حکومت کی غلط معاشی پالیسیوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی عاقبت نااندیشیوں

نے غریب طبقے پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ غربت، افلاس اور ہر آن بڑھتی ہوئی بیروزگاری ان کی زندگیوں پر دردناک عذاب کی صورت میں مسلط ہیں۔ عوام کی عظیم اکثریت کو ہمیشہ یہی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ وہ کسی طرح جسم اور روح کے رشتے کو برقرار رکھ سکے۔ اس پر غضب یہ ہے کہ سد رمق کی صورت میں انہیں جو میسّر آتا ہے اُس کے بارے میں بھی انہیں اطمینان نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ملک کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام ہی اس انداز کا ہے کہ ذہن کو آسودگی اور قلب کو طمانیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہر وقت ایک خوف دماغ پر مسلط رہتا ہے کہ کس وقت کیا حادثہ پیش آجائے۔ عدمِ اطمینان اور خوف وہراس کی اس فضا میں لوگوں کی سوچنے سمجھنے کی قوتیں بیکار ہو جاتی ہیں اور وہ خوش کن تمناؤں اور دلفریب آرزوؤں کے سہارے زندہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص یا گروہ بھی عوام کے جذبات سے کھیلنے کی مہارت رکھتا ہو وہ فوراً لوگوں کی آنکھوں کا تارا بن جاتا ہے اور وہ اندھے ہو کر اُس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔

ہماری درسگاہوں میں نوخیز نسلوں کو جس قسم کی تعلیم دی جا رہی ہے وہ اُنہیں اسلام کا علمبردار بنانے کے بجائے کفر والحاد کا پرستار بناتی ہے ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر جسے شاید قدرت نے فطرتِ ابراہیمی پر پیدا کیا ہو۔ اور جس کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، ایک بہت بڑی تعداد اس تعلیم کو حاصل کر کے اسلام سے برگشتہ ہوئی ہے۔ اُسے خدا کا وجود ایک واہمہ، رسالت ایک خیالِ خام، اور حیات بعد ممات اور حشر ونشر اور اسی طرح کے دوسرے معتقدات جو اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جہالت کی باتیں دکھائی دیتی ہیں۔ اخلاق اُس کے نزدیک بیکار کی زنجیریں ہیں جن کی مدد سے سرمایہ دار معاشرے کے کمزور طبقوں کا خون چوستا ہے۔ الغرض اسلام اور اسلامی تعلیمات جدید ذہن کے نزدیک ماضی کی مقدس داستانیں ہیں جن کا موجودہ زندگی میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس کی نگاہ میں انسانی فلاح وکامرانی کی ایک ہی صورت ہے کہ اہلِ مغرب جس طرف تیزی کے ساتھ بڑھتے چلے جا رہے ہیں ان کے ہم رکاب ہو کر بڑھا جائے۔ اور جس طرح سرمایہ داری اشتراکیت کی آغوش میں دم توڑنے پر مجبور رہے بالکل اسی طرح ہم بھی اسی آغوش میں پناہ لیں۔ کیونکہ اسے اپنائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ نوجوانوں میں جو لوگ ذرا جری اور بیباک ہیں وہ ان خیالات کا برملا اظہار کرتے ہیں مگر جو

کمزور اور بزدل ہیں وہ اپنے دماغ میں تو اسی قسم کے خیالات کو پالتے ہیں مگر زبان پر لانے کی جرأت نہیں کرتے لیکن اس بات سے آخر کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے کہ جوں جوں اسلام اور کفر کے درمیان کشمکش تیز تر ہوتی چلی جا رہی ہے یہ بزدل طبقہ اپنا وزن کفر کے پلڑوں میں ڈالتا چلا جاتا ہے۔ اس قسم کی تعلیم و تربیت نے ذہنی آوارگی کے ساتھ ساتھ اخلاقی انارکی کو بھی بڑی شد ومد کے ساتھ پھیلایا ہے اور اس کے ہولناک اثرات ہم میں ہر شخص نہ صرف بڑے دکھ کے ساتھ دیکھ رہا ہے بلکہ بڑے کرب و اضطراب کے ساتھ محسوس بھی کر رہا ہے۔ اشتراکیت کے علمبرداروں کے نزدیک اخلاق کی دنیا میں یہ انارکی بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ اس کے ذریعے سیاسی انارکی کا بازار گرم ہوتا ہے بلکہ ذہنی اور اخلاقی آوارگی اشتراکیت کی یلغار کے لیے مقدمۃ الجیش کا کام دیتی ہے۔ آوارگی درحقیقت ذہنی خلفشار اور جذباتی انتشار کا نام ہے جو قوم بھی اس میں مبتلا ہو جاتی ہے تخریب اور بغاوت اُس کے پسندیدہ مشاغل قرار پاتے ہیں۔ وہ قوم پھر مذہبی اور روحانی اقدار کو ہی پامال نہیں کرتی بلکہ معاشرتی بندھنوں، اخلاقی حدود و قیود اور ملکی آئین و ضوابط کو بڑی دلیری کے ساتھ کھلے بندوں توڑتی ہے۔ اور اسی طرح ملک میں افراتفری پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔

جب کسی معاشرے میں اس نوعیت کے طوفان اٹھنے لگتے ہیں تو پھر ایسے قائدین بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو ان طوفانوں کا رُخ موڑ کر اُس معاشرے کو تہ و بالا کر دیتے ہیں یہ ہے مختصر الفاظ میں وہ پروگرام جس کے مطابق اسلامی ممالک میں اشتراکی انقلاب برپا کرنے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں اسے دورِ جدید کے عظیم المیے کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ ملک جسے اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کے لیے بڑی قربانیوں سے حاصل کیا گیا تھا وہاں اشتراکیت کو مسلط کرنے کی بڑے زور شور سے تیاریاں جاری ہیں۔ خدا اس قسم کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دے لیکن اس وقت ملک میں جو صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے اُسے کسی طرح بھی اسلام کے مستقبل کے لیے نیک فال نہیں کہا جا سکتا۔ اشتراکیت کا قافلہ جن شورشوں، ہنگاموں اور طوفانوں کے جلو میں آگے بڑھتا ہے انہیں یہاں اچھی طرح دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طوفان ابھی تک پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکے۔ اور ان کی تندی اس حد تک نہیں بڑھی کہ ہمارا پورا معاشرہ اپنی فکری اور اخلاقی اور معاشرتی بنیادوں سے

اکھڑنے لگے مگر یہ سخت خوش فہمی ہو گی بلکہ خود فریبی ہو گی اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ ابھی یہاں اشتراکیت کا کوئی خطرہ موجود نہیں۔

فکری اور اخلاقی آوارگی کے طوفان تو ایک طرف رہے یہاں تو وہ لوگ بھی بڑی تیزی سے اُبھر کر سامنے آ رہے ہیں جو اُن مضطرب حالات سے فائدہ اٹھا کر اشتراکی انقلاب برپا کرنے کے تجربے کر رہے ہیں۔ یہ لوگ جس انداز سے مختلف اوقات میں سیاسی چالیں چلتے ہیں انہیں دیکھ کر اس امر کا صاف اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ فیلڈ چھوڑ کر صورتِ حال کا جائزہ لینے میں مصروف ہیں اور اگر انہیں ان حالات میں اپنی کامیابی کے کچھ بھی امکانات نظر آئے تو یہ انتہائی قدم اٹھانے میں کبھی بھی تامل نہ کریں گے۔ تشدّد کا پرچار کر کے عوام کو مرعوب کرنا اور اس طرح ان کے حوصلے پست کر کے انہیں مزاحمت سے باز رکھنا، پھر دھمکیوں کے ذریعے انتظامیہ کے اندر خوف و ہراس پیدا کرنا اور اسے اس حد تک مجبور کر دینا کہ وہ اپنے مستقبل کے تحفظ کے لیے سُرخ فوج کے جیالوں کے لیے طوعاً و کرہاً کام کرے، یہ عملی میدان میں اشتراکیت کے ابتدائی ہتھکنڈے ہیں جنہیں اس ملک میں گذشتہ دو تین سالوں سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ معاشرے کا جو طبقہ بھی اشتراکیت کی مخالفت کرتا ہے اور اس نظام کو مسلم قوم کے لیے سمِ قاتل سمجھتا ہے اس پر لعن طعن کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور اُسے بڑے ذلیل حربوں سے عوام میں بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر انتظامیہ کے اندر بھی جس شخص کے بارے میں یہ گمان ہو کہ وہ ان کے ڈھب کا آدمی نہیں، اُسے بھی مختلف طریقوں سے خوفزدہ کیا جاتا ہے، تاکہ وہ میدان سے بھاگ کھڑا ہو اور اشتراکیت کے خونی ڈرامے کو جان کی امان پا کر غیر متعلق تماشائی کی حیثیت سے دیکھے۔ اس مرحلے پر دھونس اور دھمکیوں کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ معاشرے اور انتظامیہ میں ان طبقوں اور افراد کی قوت اور طاقت کا اندازہ کیا جا سکے جو اشتراکیت کی راہ میں مزاحم ہونے کا حوصلہ اور عزم رکھتے ہیں۔

خوف و ہراس کی یہ فضا اشتراکی انقلاب کا بالکل ابتدائی مرحلہ ہوتی ہے جس میں عوام کا ردِ عمل کھل کر سامنے آتا ہے۔ اور اس کی روشنی میں مستقبل کا پروگرام ترتیب دیا جاتا ہے۔ پھر اس فضا میں بڑے معصوم بلکہ مقدس مقاصد کی آڑ میں ریڈ گارڈ کی بھرتی شروع ہوتی ہے اور عوام کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ

(بقیہ اشارات)

ملک میں افراتفری کی جو کیفیت پیدا ہو گئی ہے اس میں چونکہ لوگوں کی جان و مال محفوظ نہیں اس لیے اُن کی حفاظت اور پاسبانی کے لیے یہ سپاہ تیار کی جا رہی ہے اور اگر عوام اس یقین دہانی کے باوجود اسے شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھیں تو پھر اس کے وجود کی کوئی ایسی غرض و غایت بیان کر دی جاتی ہے جس کے خلاف لوگ لب کشائی نہ کر سکیں۔ چنانچہ دیکھیے کہ ہمارے ہاں جو ریڈ گارڈ تیار کی جا رہی ہے چونکہ اس سے عوام خائف ہیں اس لیے عوام کو یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ یہ فوج تو مقبوضہ کشمیر کو بھارت کے قبضے سے نجات دلانے کے لیے تیار کی جا رہی ہے۔ چونکہ یہ ایک ایسا پاکیزہ مقصد ہے جس سے کوئی پاکستانی بھی اختلاف نہیں کر سکتا اس لیے ہر شخص ریڈ گارڈ کو جانتے ہوئے بھی خاموش رہنے پر مجبور رہے کیونکہ اگر وہ اس کے خلاف لب کشائی کرے تو اُسے اشتراکیت کے علمبردار کشمیر دشمن ثابت کر کے عوام میں بدنام کریں گے۔

اس ملک میں اشتراکی انقلاب کے لیے سٹیج قریب قریب تیار ہے۔ جن جن اداکاروں نے اس خونی ڈرامے میں جو رول ادا کرنا ہے وہ نہ صرف انہیں سونپ دیا گیا ہے بلکہ انہیں اس کی باقاعدہ مشق بھی کرائی جا رہی ہے۔ یہ اداکار وقتاً فوقتاً موقع پا کر چند لمحوں کے لیے اسٹیج پر آتے اور اپنی اداکاری کے کچھ جوہر بھی دکھا جاتے ہیں مگر ابھی ان میں یہ حوصلہ نہیں پیدا ہوا کہ وہ باقاعدہ جم کر اس خونی ڈرامے کو شروع کریں۔ وہ کسی موزوں وقت کے منتظر ہیں۔ ان لوگوں نے عوام کے ذہنوں میں یہ غلط خیال بٹھا دیا ہے کہ اشتراکیت اس ملک کا مقدر بن چکی ہے۔ اسے مؤخر تو کیا جا سکتا ہے مگر اسے مستقل طور پر ٹالا نہیں جا سکتا۔ یہ تاثر جہاں اسلام کے شیدائیوں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے وہاں اپنے ساتھیوں کے حوصلے بلند کرنے اور خاموش تماشائیوں کو مرعوب کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ ایسے فیصلہ کن مرحلے پر معاشرہ بالعموم تین طبقوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، ایک کسی انقلاب کے وہ پُرجوش علمبردار جو جان کی بازی لگا کر بھی اسے برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو خطرے کو بھانپ کر اس کا بڑی جرأت سے مقابلہ کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں کوئی ایسا نظام

حیات لاتے ہیں۔ جو اس سے کہیں زیادہ مفید اور کارآمد ہو۔ تیسرا طبقہ جو کسی معاشرے کی عظیم اکثریت پر مشتمل ہوتا ہے، خاموش تماشائیوں کا طبقہ یا ہر چڑھتے سورج کی پرستش کرنے والوں کا طبقہ ہوتا ہے۔ اس طبقے میں کوئی جان نہیں ہوتی۔ اُسے طاقت کا پلڑا جس طرف جھکتا نظر آتا ہے وہ اپنا وزن اسی میں ڈال دیتا ہے۔ ہم قوم میں ہراس نہیں پھیلانا چاہتے مگر ہم اُسے کسی خود فریبی کا شکار ہوتے بھی نہیں دیکھنا چاہتے جو بالآخر اُس کی بربادی کا سبب بنے۔ ہمارے نزدیک اس ملک کا مقدر اشتراکیت نہیں بلکہ اسلام ہے بشرطیکہ اسلام کے علمبرداران روح فرسا حقائق سے اغماض برتنے کے بجائے ان کے مقابلے کے لیے دل وجان سے آمادہ ہوں اور تاریخ کے اس نازک اور فیصلہ کن مرحلے میں مصلحت پسندی اور عافیت کوشی کا طرزِ عمل اختیار کرنے کے بجائے عزیمت کی راہ اختیار کریں اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک کہ اسلام اس ملک میں اپنی پوری آب و تاب سے قائم نہ ہو جائے۔ اسلام سرتاپا روشنی ہی روشنی ہے جس کے مقابلے میں کوئی تاریکی نہیں ٹھہر سکتی خواہ یہ سرمایہ داری کی تاریکی ہو یا اشتمالیت کی تاریکی، مگر یہ روشنی اسی صورت میں انسان کو حق وصداقت کے راستے پر گامزن رکھ کر اُسے منزلِ مقصود تک پہنچا سکتی ہے جب نہ صرف عوام کے قلب و دماغ اس سے منور ہوں بلکہ انسان کی پوری اجتماعی زندگی اس کی ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور بنی ہو۔

"جزء۳ بھی شائع ہو گئی

فتاویٰ عالمگیریہ۔ سلیس اُردو میں نمبروار احکام مع عربی متن شاندار تبصروں کا حامل۔ کئی تعلیمی اداروں کی لائبریریوں کے لیے منظور شدہ کاغذ اعلیٰ سفید۔ طباعت آفسٹ سرورق دیدہ زیب اور قیمت واجبی۔ جزء۱ ۲۰٫۵۰ روپے۔ جزء۲ ۲۰٫۵۰ روپے
جزء۳ ۲۵٫۶۰ روپے۔ جزء۴ زیرِ طبع ۴۰٫۰۰ روپے

پتہ: محمد صادق ناظم مجلس منتظمہ فتاویٰ عالمگیریہ۔ سہگل آباد ضلع جہلم